© rasailojaraid.com

''گزر گئی گزران''

حمید اللہ خان عزیز۔ احمد پور شرقیہ

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا تھا سو لوٹا رہا ہوں

''گزر گئی گزران''......علامہ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کی خودنوشت حالاتِ زندگی ہیں۔ ایک بہترین خودنوشت متعدد چیزوں کا مرقع ہوتی ہے۔ یہ اس شخص کی بیتی زندگی کا احوال تو ہوتا ہی ہے لیکن ایک لحاظ سے یہ جگ بیتی بھی ہوتی ہے اس میں سفرنامے کے رنگ برنگ مناظر ہوتے ہیں۔ زندگی کی ''گزران'' میں کئی شخصیات سے تعارف نامے ' ادبی خاکے اور مجموعے مطالعہ میں آتے ہیں۔ زندگی کے سفر میں درپیش مسائل' غم و درد اور دُکھ و تکالیف کے ذکر کے ساتھ ''صاحب گزران'' حالاتِ حاضرہ پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالتا ہے اور عصر حاضر کو درپیش بعض مسائل کا بھی خوب جائزہ لیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ سماجیات اور تہذیب و ثقافت کو بھی موضوعِ سخن بناتا ہے۔

حضرت بھٹی صاحبؒ نے ''گزر گئی گزران''۔ میں یہ تمام لوازمات اکٹھے کر دیئے ہیں جس سے قاری کے ذوق مطالعہ کو جلا ملتی ہے اور اس کی ادبی تسکین میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت بھٹی صاحبؒ ہمارے عہد کی ایک ایسی نامور شخصیت ہیں کہ زندگی کے ہر میدان میں مخلصانہ جستجو' محنت' لگن اور عزم و استقلال سے آگے بڑھے اور قابل رشک سربلندی اور سرخروئی حاصل کی۔

حضرت بھٹی صاحبؒ نے تصنیف و تالیف کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ بے شبہ انہوں نے نامساعد حالات میں علم و ادب کی دنیا میں قدم رکھا لیکن بہت جلد ایک زبردست عالم دین اور مصنف کے طور پر شہرت پائی۔ آج ایک دنیا ان کی تحقیق سے متاثر ہو کر انہیں سلام عقیدت پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہی ہے اور ان کی شرافت' دیانت داری اور انکساری کی گواہی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں اپنی زندگی ہی میں عزت' شہرت اور خانگی سکھ وغیرہ سب کچھ مل گیا اور انہیں یہ سب ایک طویل جدوجہد اور جاں گسل مراحل طے کرنے کے بعد حاصل ہوا۔

بھٹی صاحب ایک کامیاب زندگی گزار کر اور اپنے کیے ہوئے کاموں سے شاداں و مسرور ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے وہ اپنی پوری زندگی اپنے اہل خانہ کے ساتھ لاہور جیسے بارونق شہر میں مقیم رہے۔ انہوں نے اپنی ''گزران'' کو قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی خودنوشت ''گزر گئی گزران'' میں بیان کیا ہے۔

لذید بود حکایت دراز تر گفتم

موصوف نے اپنی پیدائش 15 مارچ 1925ء سے لے کر تادم تحریر (19 مارچ 2009ء بعمر 82 برس) تک کے تمام حالات و واقعات کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اس خود نوشت کے چھبیس (26) ابواب ہیں۔ جن میں ان کا خاندانی پس منظر بھی ہے۔ والدین اور خاندان کے بڑے بزرگوں کے چیدہ چیدہ احوال زیست بھی ہیں۔ اساتذہ کرام کے تعارف کے ساتھ ساتھ اوائل زندگی کی باتیں اور زمانہ طالب علمی میں شوق مطالعہ کی کہانی بھی ہے۔ اس میں ان کی ملازمت کے جھمیلوں کا ذکر بھی ہے۔ ہندوستان کے متعدد مقامات کی سیر کا احوال بھی ہے۔ خدمت تدریس کا ذکر جمیل بھی ہے۔ سیاست وصحافت میں آبلہ پائی کرنے کی تاریخ بھی ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کی روداد بھی ہے آبائی وطن ریاست فرید کوٹ کے مشہور علاقے کوٹ کپورہ سے کوچ اور پاکستان میں ورود مسعود کی سرگزشت سے علاوہ نئے ملک کی نئی منزلوں اور راہوں سے آشنائی کا قصہ درد بھی ہے۔

مصنف موصوف ''گزر گئی گزران'' سے متعلق اپنا مختصر تبصرہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اسے داستان حیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ سفر زندگی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لوحِ زیست کے نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ عمر رفتہ کی بے مقصد کہانی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چند نقوش قدم بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک فقیر ناتواں کی روداد شب و روز بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک گم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام مسافر کا سفر نامہ حیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ چوں کہ میں نے اسے زندگی کے آخری دور میں لکھا ہے' اس لیے اسے حرف آخر یا زندگی کی آخری منزل بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اسے ''گزر گئی گزران'' سے تعبیر کیا جائے۔ اگر قارئین محاورہ پورا کرنا چاہیں تو اس کے ساتھ ''کیا جھونپڑی کیا میدان'' کا اضافہ کر لیں۔''

خود نوشت کا ایک اسلوب ''احوال الرجال'' کا اسلوب ہوتا ہے جیسے عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت'' یا مشتاق یوسفی کی ''زرگزشت'' بھٹی صاحبؒ احوال الرجال لکھنے میں ماہر ہیں تو انہوں نے اپنی خود نوشت لکھنے میں ''احوال الرجال'' کے اسلوب کا سہارا لیا ہے۔ جس میں کچھ آپ بیتی اور کچھ جگ بیتی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا اسلوب صاف ستھرا' نکھرا ہوا ہے اور پڑھنے میں رواں دواں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم و مغفوران کے اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں۔

''بھٹی صاحب نے ''گزر گئی گزران'' میں تجربات کا تنوع' مشاہدات کی گہرائی' واقعات کا استحضار' مطالعے کی وسعت' حافظے کی نعمت' اظہار کی قوت' اسلوب کی ندرت اور دین کی حمیت جیسی اقدار و خصائص کو پیش کر کے ادبیات اردو کے دامن میں ایک مستقل معیار کی حامل آپ بیتی کا اضافہ کیا ہے۔'' (ص:20)

حضرت بھٹی صاحبؒ نے اپنے دور کے مشہور محدثین حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی' مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوریؒ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مرکز الاسلام لکھو کے تدریس کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے وقت لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ خاندان کو لے کر پہلے قصور اور پھر مستقل چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد سکونت اختیار کی 1947ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان قائم ہوئی۔ اس کے پہلے ناظم دفتر مقرر ہوئے۔ 19 اگست 1949ء کو گوجراں والا سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا اجراء ہوا۔ اسکے مدیر مفسر قرآن مولانا محمد حنیف ندویؒ معاونِ مدیر مولانا اسحاق بھٹیؒ مقرر کیے گئے۔ مولانا ندوی چند سال بعد ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے۔ تو موصوف بااختیار ایڈیٹر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ بعد میں حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ وہ ''الاعتصام''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مستعفی ہو گئے۔ پھر مولانا ابو بکر غزنویؒ کے ہفت روزہ ''توحید'' کی ادارت کی اسے چھوڑ کر اپنا اخبار ''منہاج'' جاری کیا۔ جو نامساعد حالات کی نذر ہو گیا۔ 21 اکتوبر 1965ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوئے تو اپنے علم و تحقیق کے انبار لگا دیئے۔ اس کے ماہانہ میگزین ''المعارف'' کے مدیر مقرر ہوئے تو درجنوں علمی و فکری مضامین و مقالات کے ڈھیر لگا دیئے۔ 1996ء کو ریٹائرڈ ہوئے اور اپنے گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ہزاروں نادر صفحات رقم کیے۔

اپنی زندگی کی اس مسافت کو انھوں نے ''گزر گئی گزران'' کے نام سے لکھا گویا کہ انہوں نے کوہ پیمائی و دشت نوردی لکھ دی لیکن مقام عاجزی دیکھیے۔ لکھتے ہیں۔

''نہ میں کسی مذہبی یا سیاسی جماعت کا لیڈر رہوں' نہ خطیب اور مقرر ہوں نہ بہت بڑا مصنف اور ادیب ہوں' نہ سیاح اور جہاں گرد ہوں' نہ کسی محکمے کا سربراہ ہوں' نہ حاکم یا وزیر ہوں' نہ صنعت کار یا کارخانہ دار ہوں۔ جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی مجھ میں نہیں پایا جاتا تو میرے واقعات زندگی کیا ہوں گے۔ محض قلم کا مزدور ہوں اور قلم کے مزدور کے پاس سوائے قلم کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ (ص؛ج)

بھٹی صاحب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے روداد سفر حیات کے بیان میں راست گفتاری و صدق بیانی کا دامن ہاتھ سے کہیں نہیں چھوڑا۔ حالاں کہ خودنوشت لکھتے ہوئے سچائی پر گامزن رہنا بہت مشکل امر ہے۔ اس میں عموماً دروغ گوئی' مبالغہ آمیزی' فخریہ انداز اور فسانہ طرازی سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر یہ عناصر ترکیبی شامل نہ ہوں تو ایسی کتاب کو ''خودنوشت'' کے زمرے سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بھٹی صاحب نے اپنی ''خودنوشت'' میں یہ ''اوصاف'' پیدا ہی نہیں ہونے دیئے۔ ان کی یہ تخلیق بعض مصنفین و مؤلفین کی ان کتابوں سے بمراحل دل پذیر' دل ربا' دل کش ہے جو اپنی زندگیاں قلم و قرطاس میں جھونک چکے لیکن ان کے حروف و الفاظ گدازی اور گداختگی کی لطیف جذبات سے اس لیے یکسر محروم ہیں۔ کہ ان کی تحریروں میں راست انداز اختیار نہیں کیا گیا۔ جگہ جگہ تعلّی اور مبالغہ آمیزی نظر آتی ہے۔ بقول شاعر

خالی نہ ہوں کیوں لذت گویائی سے
وہ لفظ ہیں جو کھو کھلے سچائی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''گزر گئی گزران'' میں صدق گفتاری اور راست بیانی کی اس خوبی کے متعلق ادیب شہید مولانا پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کی رائے بڑی قیمتی معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

''اس کی داستان حیات سے ہرورق کو پڑھتے جایئے تو اس کے حافظہ اور استحضار پر رشک آتا ہے۔ ان سب باتوں' یادوں اور یادداشتوں کو وہ جس روانی سے پیش کرتا ہے' ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی قصہ ماضی نہیں بلکہ واردات حال ہے جو ابھی ابھی اس کی نظروں کے سامنے بیت رہی ہے۔ اس آپ بیتی کا سب سے بڑا کمال مصنف کی راست گفتاری اور صداقت شعاری ہے۔ اسی خاطر آپ بیتی میں سچ بولنا پل صراط پر چلنے سے مترادف ہے۔ ستائیس ابواب کی چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس خودنوشت سوانح میں مصنف جابجا اپنے کندھوں پر ایک صلیب اٹھائے دکھائی دیتا ہے۔ اسے نہ تو کسی کے انتقام کا خوف ہے' نہ ستائش کی تمنا اور نہ صلے کی پرواہ۔ اس ایک خوبی نے اس آپ بیتی میں بیسیوں محاسن پیدا کر دیئے ہیں یہ وقائع صرف دل چسپ ہی نہیں' سبق آموز' بصیرت افروز بلکہ بعض مقامات پر عبرت انگیز بھی ہیں۔ میں نے شاید کسی جگہ لکھا تھا کہ غزل تو جوانی میں کہی جا سکتی ہے مگر آپ بیتی کا رنگ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو کر سال خوردگی کے مراحل میں چمکتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں خود بینی کا جوہر جہاں بینی میں ڈھلتا ہے۔ اور خدا فراموشی' خدا شناسی میں بدل جاتی ہے۔ اپنی ذات کے حسن و قبح کو پیش کرنا ایک کار دشوار ہے۔ مصنف کو اپنے ذاتی وقائع میں غربت و عسرت کی زندگی کو پیش کرتے ہوئے کسی نفسیاتی صورتِ حال کا خوف دامن گیر نہیں وہ اپنے حالات پر قانع اور احوال پر مطمئن ہے۔

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ جسے کارواں روانہ ہوا (ص: 18)

یہ کتاب ان کے دلچسپ اور دل پذیر واقعات کا بیان ہے جو انہوں نے بہت سادگی اور سچائی سے بیان کیئے ہیں اور یہی اس کتاب کی سحر انگیزی کا راز ہے۔ یہاں پر ان کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جو ایک خوبصورت خواب کی شکل میں ہے۔ مولانا موصوف جب 1936ء میں کوٹ کپورہ میں مولانا عطاء اللہ بھوجیانیؒ کے حلقہ تلمذ میں تھے تو ان کے علاوہ دو اور طالب علم حاجی محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رفیق اور محمد جمیل بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ محمد جمیل نے ایک دن خواب دیکھا جو آگے چل کر بابرکت ثابت ہوا۔ مولانا بھٹیؒ لکھتے ہیں۔

''ایک دن محمد جمیل نے کہا کہ رات اس نے خواب دیکھا ہے کہ ہم تینوں نائی والے کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے ہیں اور کنوئیں کا پانی اوپر آ گیا ہے۔ جو ہمیں صاف نظر آ رہا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ تم نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی ہے۔ حاجی محمد رفیق بھی ڈرتے ڈرتے اس میں اُتر پڑا ہے۔ لیکن خود میں (محمد جمیل) کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا رہا اور میں نے اپنے آپ کو کنوئیں کے پانی سے محفوظ رکھا۔ جمیل سے یہ خواب سن کر میں بے حد پریشان ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ میں جو کنوئیں میں گر گیا ہوں علم سے محروم رہوں گا۔ حاجی رفیق جو ڈرتے ڈرتے کنوئیں میں اترا ہے' یہ کچھ علم حاصل کرلے گا اور جمیل جو کنوئیں میں نہیں گرا' علم کی دولت سے بہرہ ور ہوگا۔

جمیل اس خواب سے بہت خوش تھا' کیوں کہ وہ کنوئیں میں گرنے سے محفوظ رہا تھا۔ یعنی کنوئیں میں گرنا ہمارے نزدیک جہالت کی زندگی بسر کرنا تھا۔ اور نہ گرنا حصول علم کی علامت وہاں ایک بزرگ میاں عید محمد رہتے تھے۔ جنہیں لوگ ''میاں عیدو'' کہا کرتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھے تھے اور ان کا زیادہ وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا۔...... ہم نے میاں عیدو سے خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں اس خواب کی کوئی تعبیر تو ہے۔ لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔ تم حاجی نورالدین کے پاس جاؤ اور ان سے خواب بیان کرو۔ وہ تمہیں اس کی صحیح تعبیر بتائیں گے۔ چناں چہ ہم حاجی نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے گھر میں محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ جمیل نے ان سے خواب بیان کیا۔ میں خاموش بیٹھا تھا اور ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں حاجی صاحب اس کی کیا تعبیر بیان کریں گے۔ میرے ذہن میں اس کی یہی تعبیر آ رہی تھی کہ میں چوں کہ کنوئیں میں گر گیا ہوں۔ اس لیے پڑھ نہیں سکوں گا۔ جاہل ہی رہوں گا۔ بس جمیل پڑھ جائے گا یا حاجی رفیق تھوڑا بہت علم حاصل کرلے گا۔

حاجی نورالدین نے بڑے غور سے خواب سنا۔ وہ اونچی اونچی بولتے تھے فرمایا۔

''تم میں سے کنوئیں میں کون گرا ہے؟''

جمیل نے میری طرف اشارہ کرکے کیا؛ ''یہ گرا ہے''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''تم پڑھ جاؤ گے۔''
میں نے عرض کیا: ''جناب میں تو کنوئیں میں گر گیا ہوں''
بولے: ''خواب میں پانی میں گرنا اچھا ہے'' ''تم علم حاصل کر لو گے۔ جو تھوڑا گرا ہے' وہ بھی کچھ پڑھ جائے گا۔ جو نہیں گرا وہ نہیں پڑھ سکے گا''

اس کے بعد بھٹی صاحب ؒ لکھتے ہیں۔

''مجھے اس تعبیر کی صحت پر شبہ ہی رہا۔ لیکن بعد میں جو حالات پیدا ہوئے' ان کے پیش نظر میں اپنے متعلق یہ تو نہیں کر سکتا کہ میں نے علم حاصل کر لیا۔ مگر ہوا یہ کہ حاجی رفیق نے مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور حضرت مولانا احمد اللہ دہلوی پرتاب گڑھی کے حلقہ ہائے میں کھنڈیلہ (راجپوتانہ) اور دہلی جا کر کتب حدیث مکمل کر لیں۔ اور جمیل تھوڑے عرصے کے بعد اپنے مسکن بھٹنڈہ چلا گیا۔ اس نے طب کی بعض کتابیں پڑھ کر طبابت شروع کر دی۔ حاجی رفیق فراغت کے بعد فوج میں بھرتی ہو گیا اور درسیات سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا اور میں جیسا ہوں' قارئین کے سامنے ہوں'' (ص: 41)

بھٹی صاحب ؒ زندگی کے مختلف نشیب و فراز سے گزرے' گوناں گوں مصائب و آلام سے نبرد آزما ہوئے طرح طرح کی آزمائشوں کی بھٹی سے گزر کر پھر کندن بن کر نکلے۔ جس کی ایک مثال تحریک آزادی کے دوران مشکلات کا سامنا کرنا ہے۔ وہ ایک منظم سیاسی جماعت ''پرجا منڈل'' کے جنرل سیکرٹری تھے۔ اس کے صدر گیانی ذیل سنگھ تھے۔ تحریک کے دوران وہ گرفتار ہوئے۔ اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔ لکھتے ہیں۔

''ریاست فرید کوٹ میں تحریک آزادی شروع کی گئی تو آہستہ آہستہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ کئی دفعہ کئی لوگ گرفتار ہوئے اور کئی دفعہ انہیں رہا کیا گیا۔ ایک دن کوٹ کپورے کے دس بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے تھانے لایا گیا۔ ان میں چھ سات مسلمان تھے۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔ ہمیں گرفتار کر کے فرید کوٹ کے تھانے لایا گیا۔ اب ہمارے سامنے جیل کی ہیبت ناک ڈیوڑھی تھی۔ اس کے دیوہیکل پھاٹک کھول کر ہمیں جیل سے اندر کر دیا گیا۔ اور پیچھے سے پھاٹک بند کر دیا گیا۔ ڈیوڑھی کے باہر اور دائیں بائیں' جیل کی پولیس' جیل کا سپرنٹنڈنٹ اور چھوٹے بڑے بہت سے اہل کار موجود تھے۔...... ہمارے بالکل سامنے کی دیوار سے اس پار تین پھانسی گھاٹ تھے۔ جنہیں ہم ایڑیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھا کر دیکھ سکتے تھے۔......ہم تیرہ آدمیوں کو ''سنگین کوٹھڑیوں' میں لایا گیا۔ ریاستی حکومت کے نزدیک صرف ہم تیرہ آدمی تھے۔جنہیں سنگین کوٹھڑیوں میں بند کرنا ضرور سمجھا گیا۔(دیکھئے صفحات 163 تا 167)

وہ پاکستان کے ناخوشگوار حالات و واقعات پر تبصرہ بھی ایک خاص انداز میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں۔تا کہ ادب کی تاریخ کو ہر پہلو پر برتری حاصل رہے۔ ایسی چیزوں کے بیان سے آنے والے زمانے کے لوگوں کے لئے ایک سبق ہوتا ہے۔ پرویز مشرف کے دور میں ''لال مسجد'' پر حملہ اور جامعہ حفصہ میں کھیلی گئی خون کی ہولی پر غم کا اظہار کرتےہوئے ان الفاظ میں نوحہ کناں ہوتے ہیں۔

''اسلامی ملک پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔خود دارالحکومت اسلام آباد میں پرویز مشرف کے دور میں کتنی ہی مسجدیں منہدم کر دی گئیں۔جامعہ حفصہ میں گولیوں سے سینکڑوں کی تعداد میں طالبات کو جن میں چھ چھ سات سات سال کی بچیاں بھی تھیں۔فوج نے قتل کر دیا۔لال مسجد کی بے حرمتی کی گئی۔اس کے فرش اور دیواروں پر جگہ جگہ خون شہداء کے فوارے چلے اور گوشت کے لوتھڑے جم گئے۔مسجد اور مدرسے کے ایک خطیب اور مدرس کو قتل کر دیا گیا اور ایک کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔الٹا اسی پر قتل کا مقدمہ بھی قائم کیا گیا۔اور ایک کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔الٹا اسی پر قتل کا مقدمہ بھی قائم کیا گیا۔اس کے علاوہ ہمارے اس اسلامی ملک کی متعدد مسجدوں میں نمازی قتل ہوئے۔خطیب و امام مار دیئے گئے اور مسجدیں مقفل ہوئیں۔سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کو ان کے مناسب سے صرف اس لیے علیحدہ کر دیا گیا کہ وہ عدل و انصاف کے بارے میں چھوٹے بڑے سب کو برابر کا درجہ دیتے ہیں اور حکومت کے منصب داروں او اقتدار پر قابض لوگوں کو عوام پر ترجیح نہیں دیتے۔قانونی نقطہ نظر کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔پھر حکومت کو ان ججوں کی علیحدگی پر صبر نہیں آیا۔انہیں گھروں میں قید کر دیا گیا۔اور مسجدوں میں جانے اور نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔یہاں تک کہ جمعہ اور عید کی نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔''(ص:72)

وہ زندگی کے متعلق تمام حقائق کو ابتداء سے لے کر انتہاء تک بلا تصنع اور بلا تکلف نہایت سادہ اور آسان مگر دلچسپ زبان و پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔مختلف مراحل زندگی اور بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور افتادہ اور خطرناک مقامات پر اپنی ذمہ داری کے دوران پیش آنے والے کچھ عجیب و غریب واقعات و حادثات کا ذکر بھی انہوں نے ایسے انداز میں کیا ہے کہ پڑھنے والا نہ صرف یہ کہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے بلکہ نامساعد حالات میں اس سے راہنمائی کا کام بھی لے سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ انہوں نے مشکل سے مشکل کام کو بھی انجام دینے میں ہمت نہیں ہاری۔ کیونکہ ہمت مرداں' مدد خدا۔ اسی طرح اپنے فریضے کو ادا کرنے میں کسی ہچکچاہٹ یا گھبراہٹ کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ دیکھئے چند واقعات۔

''ہم اپنے موجودہ پاکستان میں نئے نئے آئے تھے۔ اور ظاہر ہے اس زمانے میں پریشانی کے سوا کوئی چیز ہمارے پاس نہ تھی نہ پیسا نہ آٹا' نہ بستر' نہ کپڑا' نہ چارپائی' نہ برتن' اگر برتن ہوں بھی تو خالی برتنوں کو کیا کرنا تھا۔ حکومت کا کوئی چھوٹا بڑا ذمہ دار آدمی ہمارے گاؤں نہیں آیا۔ نہ پاکستان قائم کرنے کی دعوے دار جماعت مسلم لیگ کے کسی عہدے دار یا رکن نے ادھر کا رخ کیا۔

پاکستان میں جو زمین ہمیں الاٹ ہوئی' اس میں کماد کی فصل تھی۔ ہم بیلنے سے گڑ بناتے اور گنے کا رس پیتے اس کی جسے پنجاب میں ''روہ'' کہا جاتا ہے' ہم کھیر بھی پکاتے تھے گنے کے رس کی بنی ہوئی کھیر ہم نے پہلی مرتبہ یہاں آ کر کھائی۔ رس بھی پہلی مرتبہ پیا۔

''میں ہمیشہ مصروفیات میں خوش رہا۔ اب بھی اللہ کی مہربانی سے یہیں عادت ہے۔ جتنی مصروفیت زیادہ ہو اتنی ہی مسرت محسوس کرتا ہوں۔ بعض لوگ کام میں سستی کرتے ہیں' آج کریں گے پھر کریں گے۔ اس قسم کے لوگوں سے مجھے ہمیشہ اختلاف رہا۔ سستی کا نتیجہ بالعموم یہ ہوتا ہے۔ کہ کام ہو ہی نہیں پاتا۔''

ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں اپنے دور ادارت میں ذمہ داریوں کے حوالے سے دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں: ''خاکروب' چپڑاسی' مینجر اور نائب مدیر بلکہ بعض اوقات مدیر تک تمام عہدے میرے پاس تھے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرد واحد پورے دفتر پر قابض تھا۔ صبح دفتر میں جھاڑو دینا' میز کرسیاں صاف کرنا' کاغذات اور رجسٹروں کو ترتیب سے رکھنا' رجسٹر میں خریداروں کا اندراج' ان سے خط و کتابت' مضمون نگاروں کے مضامین پڑھنا اور انہیں قابل اشاعت بنانا' پروف ریڈنگ وغیرہ سب امور کی انجام دہی میں نے اپنے فرائض میں شامل کر رکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ بدھ کے روز ڈاک خانے جا کر اخبار پر ٹکٹ لگانا اور اسے پوسٹ کرنا بھی میری ذمہ داری تھی اور یہ تمام کام میرے لئے نہایت خوشی کا باعث تھے نہ میں کام سے گھبراتا' نہ اکتاتا تھا' نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے کچھ سیکھنے کا لالچ تھا اور اس لالچ کا مجھ پر اتنا غلبہ تھا کہ جی چاہتا تھا کہ میرے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی اخبار کے چھوٹے بڑے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں' خود کچھ نہ کریں مجھے ہدایات دیتے رہیں اور ان کی ہدایات کے مطابق میں کام کرتا رہوں۔

''گزر گئی گزران'' میں خوش گوار اور کامیاب زندگی گزارنے کے بعض کار آمد نسخے موجود ہیں۔ خاص طور پر وہ نوجوان نوآموز قلم کار ریسرچ اسکالرز اور تنظیمی و جماعتی عہدے داران جو عملی زندگی میں قدم رنجہ فرمانے والے ہیں اور وہ قائدین اور سربراہان جماعت جنہیں اللہ نے مختلف مناسب سے نوازا ہے۔ بقول شاعر

زندگی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

''مرکزی جمعیت سے ابتدائی دور میں کام کی کثرت تھی اور جمعیت کے سربراہ بھی اونچے مرتبے کے حامل تھے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جس سے کارکنوں میں قوت کار کا جذبہ بڑھتا تھا۔ اس زمانے میں پیسے کی بہت کمی تھی۔ میری 90 روپے تنخواہ ادا کرنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا لیکن مولانا غزنویؒ کے حوصلہ افزاء الفاظ اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے مزاحیہ ارشادات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بہت سے خزانوں کے مالک ہو گئے ہیں۔ اس وقت کار یا موٹر سائیکل کا کوئی تصور نہ تھا۔ چھوٹے کارکن سے لے کر ناظم اعلیٰ اور صدر تک پیدل یا تانگے پر چلتے تھے۔ لمبا سفر بس یا ریل پر کیا جاتا تھا۔ اور ہنسی خوشی سے ہر مرحلہ طے ہوتا تھا۔'' (ص: 208)

''اخبار الاعتصام'' کے لیے میں نے بے حد محنت کی جون 1950ء میں مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ اور مولانا محمد حنیف ندویؒ نے اس کی توسیع اشاعت کے لیے مجھے جنوبی پنجاب کی طرف جانے کا حکم دیا چنانچہ میں گوجراں والا سے اوکاڑہ' ساہیوال' میاں چنوں' بورے والا' وہاڑی' خانیوال' ملتان' احمد پور شرقیہ اور رحیم یار خان وغیرہ' متعدد مقامات میں گیا اور وہاں کی ان موثر شخصیات سے جنہیں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانتا تھا بات کر کے کئی سو سالانہ خریدار بنائے۔ جون کے مہینے میں وہ علاقہ گرمی کی شدت سے تپ رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرمی کا اصلی مرکز یہی علاقہ ہے اور مختلف مقامات کو یہی علاقہ گرمی سپلائی کرتا ہے۔ ان علاقوں کے بہت سے مقامی حضرات سے بھی مل کر جمعیت کا ناظم دفتر اور اخبار کا معاون مدیر ہونے کی وجہ سے میرے مراسم قائم ہو گئے تھے۔ اور ان مہاجروں میں سے بھی بے شمار حضرات سے میری پہلے سے واقفیت تھی جو ضلع قصور اور ریاست فرید کوٹ سے آ کر اس نواح میں آباد ہوئے تھے۔(ص؛218)

مولانا بھٹی صاحب کا بچپن کوٹ کپورے کے دیہاتی ماحول میں گزرا اس کی یادیں ان کے ذہن پر ثبت ہو کر رہ گئیں وہ اپنی خودنوشت میں اس کی یادیں جگہ جگہ لکھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی یادیں اور باتیں جو ان کے ذہن میں موجود تھیں وہ بھی انہوں نے قلم بند کیں۔ بچپن کی یادیں ان کے تعاقب میں رہتی ہیں۔اس لیے وہ اپنے آبائی خطے کو دیکھنا چاہتے تھے مگر دیکھ نہ سکے اور اس کی خواہش من میں لیے سفر آخرت کو سدھار گئے۔ ''گزر گئی گزران'' میں اس خواہش کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''جی چاہتا ہے کہ ہندوستان جا کر اپنے قدیم وطن سے ان گلی محلوں کو دیکھوں جن سے چکر لگاتے ہوئے میرا بچپن گزرا اور جہاں میں جوانی کی منزل کو پہنچا۔ میرا وہاں کوئی رشتے دار موجود نہیں ہے اور پوری ریاست فرید کوٹ میں کوئی میرا جاننے والا بھی نہیں ہے۔لیکن وہ دھرتی تو موجود ہے۔ جس پر چل پھر کر میری عمر کا ایک حصہ گزرا۔ اس دھرتی سے میری بہت سی یادیں وابستہ ہیں' خوش گوار بھی اور ناخوش گوار بھی۔ سیاسی بھی اور غیر سیاسی بھی۔ فرید کوٹ کی وہ جیل دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ جس میں آزادی وطن کے لیے میں قید رہا۔ لیکن بہ ظاہر وہاں جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔(ص؛423)

اردو اور عربی کے جن نامور ادیبوں اور علماء سے بھٹی صاحب کا واسطہ پڑا۔ ان کے بارے میں انہوں نے تاثرات ''گزر گئی گزران'' میں قلم بند کر دیئے جن سے ان ادیبوں کی علمی عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض شخصیات کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ مثلاً

(1) حافظ الحدیث مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''حضرت کو قدرت کی بے پناہ فیاضیوں سے ذہانت و ذکاوت اور علم و عمل کی دولت سے خوب نوازا گیا تھا۔ ان کا اسلوب تحریر بہت گہرا اور محققانہ تھا۔ تمام زندگی ہنگامہ تدریس برپا کیے رکھا۔

(2) اپنے استاد شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''تدریس وتقریر اور تحریر میں مولانا ممدوح کا ایک خاص اسلوب تھا۔ جو نہایت اثر انگیز تھا انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ قرآن مجید پر استحضار تھا۔ وعظ و تقریر اور عام مجلسوں میں برمحل قرآن مجید کی آیات پڑھتے۔''

(3) اپنے مربی استاد شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے بارے میں انہوں نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے۔

''سب سے پہلے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ گھر کے بنے ہوئے سفید کھدر کی قمیص' کھدر کا تہبند اور کھدر ہی کی دستار' یہ ان کا لباس تھا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ نے اپنے خاندانی دارالعلوم تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ) کے منصب شیخ الحدیث پر متمکن کر دیا تھا۔ انہوں نے التعلیقات السّلفیہ کے نام سے سنن نسائی کی شرح لکھی دارالدعوۃ السّلفیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کا کتب خانہ بائیس ہزار کتابوں پر مشتمل ہے ہفت روزہ ''الاعتصام'' اسی ادارے کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔''

(4) اپنے صحافتی مربی مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا محمد حنیف ندویؒ نے تحریری معاملے میں میری بہت رہنمائی کی اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ان کو اللہ نے فراوانی علم سے نوازا اور الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ اور الفاظ کے محل استعمال سے خوب آگاہی بخشی تھی۔ جو شخص ان سے کچھ سیکھنا چاہتا اس کے ساتھ وہ نہایت ہمدردی کا سلوک فرماتے تھے۔ مولانا کی رفتار مطالعہ بہت تیز تھی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں مولانا نے بے حد تحقیقی اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔''

(5) ضیغم اسلام مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کا تعارف ان خوبصورت الفاظ میں ذکر کرتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اکتوبر 1947ء میں یہ فقیر چھٹی مرتبہ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی زیارت سے مفتخر ہوا۔ سرخ گورا رنگ، تیکھے نقوش، معتدل جسم، نہایت متناسب اعضاء، کشادہ پیشانی، چمکتی آنکھیں، رعب دار مگر سنجیدگی کے حسین ترین زیر و بم میں تیرتی ہوئی آواز قدرت کے دستِ حسن آفرین نے نہایت پیار سے ان کا ہیولا تیار کیا تھا۔ وہ بولتے تھے تو زبان سے پھول جھڑتے تھے۔ اور خاموش ہوتے تھے تو چہرے پر پُر وقار متانت کی روشنی نمودار ہو جاتی تھی''

''گزر گئی گزران'' کے مطالعے سے بعض تاریخی اور جغرافیائی معلومات بھی ملتی ہیں۔ جو سیر و سیاحت کے شیدائیوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں اور راہ نمائی کا کام بھی دے سکتی ہیں۔ کتاب کا ساتواں باب ''دہلی، آگرہ اور دیگر مقامات کا سفر'' اور چھبیسواں باب؛ ''ساٹھ باسٹھ سال پہلے کا لاہور'' شائقین تاریخ اور ماہرین جغرافیہ کے لیے اہم نوعیت کے تاریخی، سیاسی اور ثقافت ارمغان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موخرالذکر سے لاہوری کلچر اور تمدن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ''انارکلی'' لاہور کے متعلق لکھتے ہیں۔

''انارکلی لاہور کا مشہور بازار تھا۔ یوں تو اس میں تمام دن لوگوں کی چہل پہل رہتی تھی لیکن شام کو پانچ چھ بجے سے لے کر رات سے تقریباً دس بجے تک میلہ بھرا رہتا اور خوب رونق رہتی لاہور کے بہت سے معروف لوگ جن میں بڑے بڑے سیاسی رہنما، سرکاری آفیسر اور صوبائی وزیر بھی ہوتے، شام کے بعد روزانہ انارکلی کی سیر کو آتے۔ لاہور کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو انسانوں کے گلشن رواں کی حیثیت حاصل تھی۔ صوبائی اسمبلی کے اجلاس کے دنوں میں انارکلی کی رونق مزید بڑھ جاتی تھی۔ پنجاب کے مختلف علاقوں کے ارکان اسمبلی اس کی سیر کرتے اور ان سے میل ملاقات کرنے والے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں کسی قسم کی سیکورٹی اور حفاظت کا کوئی تصور نہ تھا۔ لوگ ارکان اسمبلی کے ٹھکانوں پر آزادی سے جاتے اور ان سے ملتے تھے خود ارکان اسمبلی کی بھی اپنے دوستوں کے ہاں آزادانہ آمد و رفت رہتی تھی۔''

''اب لاہور اتنا پھیل گیا ہے کہ اصل لاہور سے کئی گنا زیادہ علاقہ اس کے قبضے میں آ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے۔ نئے نئے ناموں سے نئی نئی آبادیاں قائم ہوگئی ہیں۔ رحمان پورہ، سمن آباد، گلبرگ، شاہ جمال، فیصل ٹاؤن، شادمان، گلشن راوی، گرین ٹاؤن، جوہر ٹاؤن، ڈیفنس وغیرہ وغیرہ آج سے ساٹھ باسٹھ سال پہلے پورے لاہور کا چکر چند گھنٹوں میں آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اب پورے دن میں موٹر کار پر چکر لگانا بھی مشکل ہے۔ اردگرد سے بہت سے دیہات لاہور کی لپیٹ میں آ گئے ہیں"

''گزر گئی گزران'' محترم بھٹی صاحبؒ کی ایک ایسی تخلیقی کاوش ہے جو زمانہ حال کے فرد کو ماضی اور مستقبل کے سفر میں ایک ساتھ لے کر چلتی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے تلخ و شیریں تجربات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے منفرد اسلوب کی بدولت نثر میں شاعری کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جو یقیناً عام لکھاری حضرات کے اسلوب سے بالکل الگ ہے۔ اس غنائی انداز تحریر سے قاری بار بار کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ ''خودنوشت'' میں انہوں نے اپنے زندگی کے سفر کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا کسی بھی مقام پر یکسانیت یا اکتاہٹ کا احساس محسوس نہیں کرتا۔ یہ کتاب ان کی اس زندگی کا خلاصہ ہے جو انہوں نے کتابوں اور مصنفین کے درمیان گزاری ہے۔ کتاب سے انہیں محبت رہی۔ پینسٹھ برس کی علمی زندگی میں کتب و رسائل ہی ان کا اوڑھنا بچھونا، اٹھنا بیٹھنا، اور سونا و جاگنا بن گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی زیست مبارک خود ایک ''کتاب'' بن چکی تھی۔ جسے انہوں نے ''گزر گئی گزران'' کی شکل میں پیش کر کے آئینہ تاریخ میں متعدد علمی و ادبی خدمات کے ساتھ محفوظ ہو گئے۔ بقول شاعر

''مری روداد، روداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اس کی داستاں معلوم ہوتی ہے

''گزر گئی گزران'' جاں فزا، قلب افشاء، روح آفریں، دماغ افروز، تسکین جاں، دل نشیں خودنوشت ہے جس کا مقدمہ معروف سیرت نگار، سابق ڈائریکٹر نیشنل سیرۃ اسٹڈی سنٹر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ نے لکھا ہے۔ یہ بڑا تاریخی نوعیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہکار مقدمہ ہے۔جس کا ایک ایک لفظ دماغ کی الجھنیں دور کرتا ہے۔ فکر و خیال کی کلیاں کھولتا ہے۔کانوں کو ذوق سماعت اور روح کو مسرت و شادمانی و جاودانی سے آشنا کرتا ہے۔کتاب کی اشاعت بھی ان کے قائم کردہ ادارے ''کتاب سرائے'' کے حصے میں آئی 466 صفحات کی یہ کتاب 2011ء میں شائع ہوئی۔

بھٹی صاحب نے 10 مارچ 2009ء میں اپنی خودنوشت مکمل کی۔ پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ نے اس پر پُر مغز مقدمہ تحریر کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ کتاب وہ شائع کرائیں گے لیکن افسوس پروفیسر صاحبؒ اسلام آباد کے ایک اسپتال میں دل کے آپریشن کے دوران 13 اکتوبر 2009ء کو دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بھٹی صاحبؒ اپنے دیرینہ دوست کے جنازہ میں شرکت سے لئے شیخوپورہ گئے۔ وہ بہت غمگین تھے۔انہوں نے اپنے دوست کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے ''گزر گئی گزران'' کا مسودہ ان کے صاحبزادہ گان رفیع الدین حجازی اور جمال الدین افغانی صاحبان کے حوالے کیا اور یوں یہ کتاب منہ شہود پر آئی۔

''گزر گئی گزران'' مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کا ایک گراں قدر علمی وادبی کارنامہ ہے۔اسے تاریخ اردو کا ایک اہم علمی ارمغان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اس نے اردو میں خودنوشت نگاری کے اسلوب کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔اس سے اردو کے سوانحی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔کوئی بھی ادبی مورخ اس کے مقام و مرتبہ سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔بھٹی صاحب نے اپنی خود نوشت کا اختتام قرآن مجید کی سورت یوسف کی آیت نمبر 101 پر کیا

ہم بھی بارگاہ الٰہی میں حضرت مولانا بھٹی صاحب اور مولانا عبدالجبار شاکر صاحب کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے قرآن مجید کی اسی آیت پر تبصرہ کا اختتام کرتے ہیں۔فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی باالصالحین (یوسف:101)

© rasailojaraid.com